ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol 5 No.4 2021

مراثیِ انیس میں حزنیہ کی تکنیک

TECHNIQUE OF GRIEF AND MOURNING IN THE MARSIYAS OF MEER ANEES

*ڈاکٹر طاہر نواز، شعبہ اردو

**ڈاکٹر وجیہہ شاہین

ABSTRACT

Meer Babar Ali Anees is the most prominent marsiya writer in the history of Urdu Marsiya. The word Marsiya is derived from the Arabic word "Rasa" which means to appreciate a dead person and mourn on his death. That's why; there is a close between marsiya and mourning. Meer Anees has a specialty to create aspects of mourning in marsiya more than the other marsiya writers. In this article, effort has been made to explore and elaborate the techniques of grief and mourning which are used by Meer Anees in his Marsiyas.

Keywords: Aspects of Mourning in Marsiya, Marsiya, Meer Anees, Urdu Marsiya

مرثیہ عربی زبان کے لفظ "رثا" سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی مرنے والے کی تعریف و توصیف کے ہیں۔ اصطلاح میں مرثیے سے مراد وہ صنفِ سخن ہے جس میں کسی مرنے والے شخص کی تعریف و توصیف اور اس کی وفات پر اظہارِ غم کیا جائے۔ موضوع کے اعتبار سے مرثیہ میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔ اردو شعرا نے اپنے عزیز و اقربا کی موت کو موضوعِ مرثیہ بنانے کے علاوہ باکمال علمی و ادبی، سیاسی اور سماجی شخصیات کی وفات پر بھی مرثیے لکھے ہیں۔ تاہم اردو ادب میں شہدائے کربلا پر اس کثرت سے مرثیے لکھے گئے کہ مرثیے کا زیادہ تر اطلاق صرف واقعاتِ کربلا پر ہونے لگا۔ اسی لیے مرثیہ کے اصطلاحی معنی یہ رہ گئے کہ واقعاتِ کربلا یعنی حضرت امام حسینؑ اور دیگر شہدائے کربلا کی شہادت اور اس سلسلہ میں ان پر جو مصائب پڑے، جس طریقے سے انہوں نے ان مصیبتوں کا مقابلہ کیا، ان سب کا ذکر کیا جائے۔ گویا مرثیہ اور واقعاتِ کربلا لازم و ملزوم ہو گئے۔ ہر باشعور انسان کو کسی نہ کسی کا غم منانا پڑتا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس نے کسی کی موت کا صدمہ نہ اٹھایا ہو۔ رنج و غم کے عالم میں مرنے والے سے متعلق کچھ الفاظ نہ کہے ہوں۔ شاعر کا دل چونکہ زیادہ حساس ہوتا ہے اس لیے وہ ان واقعات سے سب سے زیادہ اثر لیتا ہے اور جب وہ ان صدمات کو بیان کرتا ہے تو سننے والے کو بھی اس غم میں شامل کر لیتا ہے۔ درد و غم کا تعلق ہر دل سے ہوتا ہے۔ پس جس شعر میں درد ہوتا ہے وہ اتنا ہی لذت انگیں بھی ہوتا ہے۔ آج بھی ہمارے بہترین اشعار وہی ہیں جن میں رنج والم کی فراوانی ہے کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ رنج والم کی کہانی عیش و طرب کے نغموں سے زیادہ موثر اور دیرپا ہوتی ہے اسی لیے مرثیہ کا تعلق ہر شخص سے قلبی اور بنیادی ہوتا ہے۔ اس قلبی اور بنیادی تعلق کے ساتھ ساتھ مرثیہ میں مذہبی رنگ اور عقیدت پیدا ہو جانے سے اس کی اثر پذیری میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ واقعاتِ کربلا کا مرثیہ اس لیے بھی دلپذیر ہے کہ یہ ایک المیے (Tragedy) سے جڑا ہے۔ یعنی وہ المیہ جس کا سامنا حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو کربلا کے میدان میں کرنا پڑا۔ یہ مرثیے اس لیے بھی دلپذیر ہیں کہ ان میں بیان کردہ شخصیات نے بھرپور عمر گزارنے کے بعد وفات نہیں پائی۔ نہ ہی اشخاصِ مرثیہ کسی بیماری کی وجہ سے فوت ہوئے۔ یہ نہ تو ایک ملک کی دوسرے ملک کے ساتھ جنگ تھی اور نہ ہی کسی مخالف ملک نے دوسرے ملک پر حملہ کیا تھا بلکہ ایک طرف ایک ایسا گروہ تھا جس کے پاس اسباب بھی مکمل نہیں تھے اور نہ وہ جنگ کے ارادے سے جا رہے تھے۔ دوسری طرف غنیم کا لشکر پوری طرح لیس اور ریاستی طاقت و قوت کے ساتھ موجود تھا۔ جو مخالف تھے وہ کسی اور مذہب و ملت سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ دونوں طرف کے گروہ ایک ہی خدا اور نبی ﷺ پر ایمان رکھتے تھے۔

---

* قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی گلگت بلتستان

** ہائر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

میدانِ کربلا میں جس مختصر گروہ کا راستہ روکا گیا وہ اسی نبی ﷺ کا خانوادہ تھا جس پر غنیم کا لشکر بھی ایمان رکھتا تھا۔ راستے کا روکے جانا، خیموں کا اکھاڑا جانا، پانی کا بند ہونا، بیدردی سے قتل کرنا اور حرم کی بے حرمتی جیسے واقعات ہیں جن کا بیان اردو مرثیے کو رحم انگیز اور حزن والم کے عناصر سے بھر دیتا ہے۔ ارسطو نے المیے میں رحم انگیز جذبات کو پیدا کرنے کے لیے جو شرائط مقرر کی تھیں اشخاصِ مرثیہ کو ایسے ہی حالات وواقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ رحم انگیز جذبات کے حوالے سے ارسطو نے لکھا ہے:

"اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کس قسم کے واقعات سب سے زیادہ دہشت ناک یا رحم انگیز ہو سکتے ہیں۔ یہ تو قطعی ضروری ہے کہ یہ واقعات یا تو ان لوگوں کو باہم پیش آئیں جو ایک دوسرے کے دوست ہیں۔۔۔۔۔ اگر کوئی دشمن اپنے دشمن کو قتل کر دے تو نہ تو اس کے اس فعل میں اور نہ اس کے ارادے میں کوئی چیز ایسی ہے جس سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔ بجز اس کے کہ تکلیف بجائے خود قابلِ رحم ہے۔ اگر افرادِ ڈرامہ ایک دوسرے سے ناواقف یا ایک دوسرے سے لاپرواہ ہوں تب بھی یہی صورت ہو گی۔" (۱)

مرثیہ گو کا بنیادی مقصد چونکہ شخصِ مرثیہ کی موت کا غم منانا ہے اس لیے مرثیہ گو کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس دوران جو کیفیت اس کی ہوئی یا پھر جو کیفیتِ دل اس پر وارد ہوئی وہی کیفیت قاری یا سامع پر وارد ہو جائے۔ اشخاصِ مرثیہ کی المناک شہادت نے اردو مرثیہ نگاروں کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ ان واقعات کو زیادہ دردناک اور غم انگیز بنا کر پیش کر سکیں۔ معنویت کو ابھارنے اور روحانی تسکین و آسودگی میں حزنیہ اشعار خاص کردار ادا کرتے ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر معراج الحسن لکھتے ہیں:

"حزن سے نہ صرف شعر میں لطافت و نزاکت پیدا ہوتی ہے بلکہ یہ شاعر کی روحانی تسکین و آسودگی کے ساتھ ساتھ سامع اور قاری کو وجد میں لانے کا موجب ہوتا ہے۔" (۲)

پس کامیاب مرثیہ نگار وہی تصور ہو گا جس کے اشعار میں زیادہ حزنیہ عناصر ہوں اور جو قاری یا سامع کو زیادہ رلانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ میر انیس کا شمار اردو کے صفِ اول کے مرثیہ گوؤں میں ہوتا ہے۔ انیس اور دبیر میں تکنیکی حوالے سے اولیت سے متعلق تو بحث کی جا سکتی ہے لیکن مراثی میں حزن کی پیش کش سے متعلق انیس کو ہی اولیت حاصل ہے۔ میر انیس نے اپنے مراثی میں موضوعاتی اعتبار سے تین عناصرِ ترکیبی کا ذکر کیا ہے: بزم، رزم اور رثا:

بزم کا رنگ جدا، رزم کا میداں ہے جدا　　　یہ چمن اور زخموں کا گلستاں ہے جدا

فہم کامل ہو، تو ہر نامے کا عنواں ہے جدا　　　مختصر پڑھ کے رلا دینے کا ساماں ہے جدا

دبدبہ بھی ہو، مصائب بھی ہوں، توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں، رقت بھی ہو، تعریف بھی ہو

(نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری)

اگر بحثیتِ مجموعی اردو مرثیے کا جائزہ لیا جائے تو اردو مرثیہ بزم، رزم اور رثا تین عناصر پر ہی مشتمل نظر آتا ہے۔ بزم، رزم اور رثا کے بیان کے لیے میر انیس سے قبل ہی اردو مرثیے کے نو اجزا: چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت، بین اور دعا مقرر ہو چکے تھے۔ میر انیس نے بھی مراثی اسی ترتیب سے لکھے ہیں۔ مرثیے میں عموماً شہادت اور بین ہی حزنیہ عناصر سے بھرپور نظر آتے ہیں کیونکہ مرثیے کے جنگ تک کے ابتدائی عناصر میں اشخاصِ مرثیہ کو بے انتہا قوتوں اور اوصافِ جلیلہ کے نمائندہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مرثیے کے ابتدائی اجزا میں ہیرو اور دیگر محوری کرداروں کی فتوحات و کمالات کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مخالفین پر ان کی کرداری برتری کو ثابت کیا جا سکے۔ اشخاصِ مرثیہ کو رفتہ رفتہ موت کی طرف بڑھتا دکھایا جاتا ہے۔ جوں جوں شخصِ مرثیہ موت کی طرف جاتا ہے اشعار میں حزنیہ عناصر کی آمیزش بھی ہوتی رہتی ہے اور ان کی مقدار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ شخصِ مرثیہ کی شہادت کے بعد حزن باقاعدہ بین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ میر انیس کو دیگر مرثیہ نگاروں پر اس لیے بھی فوقیت حاصل

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

ہے کہ ان کے مراثی میں حزنیہ عناصر جنگ، شہادت اور بین تک ہی محدود نظر نہیں آتے بلکہ مرثیے کے تمام اجزا میں حزن چھایا نظر آتا ہے۔ یہ انیس کا ہی خاصا ہے کہ وہ ابتدائے مرثیہ میں ہی ایساماحول بنادیتے ہیں کہ قاری یاسامع گریے کے لیے تیار ہو جاتا ہے:

ارشادِ نبی ﷺ ہے کہ مددگار ہیں میرے — فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غم خوار ہیں میرے

حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے — میں ان کا ہوں طالب، یہ طلب گار ہیں میرے

یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

(یارب چمنِ نظم کو گل زارِ ارم کر)

چہرہ مرثیے کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے۔ اس حصے میں عموماً مناظرِ فطرت یا پھر موضوعِ مرثیہ کے اعتبار سے منظر کشی کی جاتی ہے تاکہ قاری کے سامنے وہ اسٹیج تیار ہو جائے جہاں پر مرثیہ کے آئندہ واقعات بیان ہونے ہوتے ہیں۔ انیس مرثیے کے اس حصے کو بھی حزنیہ بیان سے پر تاثیر بنادیتے ہیں۔ مرثیہ میں عموماً گریہ کے لیے پہلے ماحول تیار کیا جاتا ہے۔ مرثیہ میں تین شخصیات کا تعلق ہوتا ہے؛ شخصِ مرثیہ، مرثیہ گو اور قاری یاسامع۔ مرثیہ گو قاری کی ذہنی سطح کو بلند کر کے شخصِ مرثیہ کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے یوں شخصِ مرثیہ کا غم قاری یاسامع کو اپنا غم معلوم ہوتا ہے۔ اس سطح پر قاری یاسامع کے لیے درد کی کیفیت بڑھ جاتی ہے۔ یہ کیفیت جتنی زیادہ ہوتی ہے گریہ یا ماتم بھی اسی قدر زیادہ ہوتا ہے اور یہی مرثیہ گو کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے۔ انیس اس سے مبرا ہیں۔ ان کو گریہ یاماتم کے لیے زیادہ تفاصیل دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انیس کے ایک مرثیے کا پہلا بند ملاحظہ ہو جس میں امام حسینؑ کی مظلومیت اور غنیم کی شقاوت کھینچ کر آگئی ہے۔ اس بند کا پہلا مصرعہ معنویت سے بھرپور ہے اور قاری یاسامع کو گریہ پر مجبور کر دیتا ہے:

آج شبیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے — ظلم کی چاند پہ زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے

اُس طرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے — یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے

برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاروں میں

(آج شبیر پہ کیاعالمِ تنہائی ہے)

مرثیہ پڑھنے سے کہیں زیادہ کہنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ مرثیہ کہتے ہوئے مرثیہ گو کے پاس زیادہ مواقع ہوتے ہیں کہ وہ ماحول کو دیکھتے ہوئے اور لوگوں کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ مرثیے کو آگے بڑھاتا ہے۔ اس دوران سامعین کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے تکرار یا پھر اختصار سے کام لے لیتا ہے۔ ایک علمی محفل میں جہاں اسے اپنی علمیت دکھانا مقصود ہو تو وہ مقفع و مسجع الفاظ استعمال کرتا ہے لیکن عام لوگوں کی محفل میں وہ عموماً سادہ الفاظ کے استعمال سے کام چلالیتا ہے۔ لوگوں کی دلچسپی کو قائم کرنے کے لیے وہ حرکات وسکنات اور لہجے کے اتار چڑھاؤ سے کام لے لیتا ہے۔ مرثیہ گوئی میں اسے ''بتانا'' کہا جاتا ہے۔ میر انیس کو اس میں کمال حاصل تھا۔ وہ اپنے کلام، اپنی آواز، لہجے، اپنے چہرے کے تاثرات اور اشارے کو ترکیب دے کر اپنے مخاطبین کے ذہن کو کسی صورت حال کی طرف اس طرح منتقل کرتے تھے کہ ان کا تصور برانگیختہ ہو جاتا تھا۔ پنڈت سندر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

نرائن مَشران نے انیس کی خواندگی کے ایک عینی شاہد کا بیان نقل کیا ہے جسے نیر مسعود نے اپنی کتاب "مرثیہ خوانی کا فن" میں نقل کیا ہے اس سے میر انیس کی مرثیہ خوانی میں حزن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"میرے لڑکپن میں ایک بوڑھے آدمی نے، جس نے انیس و دبیر کی مجالسِ عزا دیکھی تھیں، حضرت انیس کا حال شعر پڑھنے کا بیان کیا، کہ پہلے وہ جس وقت منبر پر جاتے تھے تو مجلس میں خاموشی اور سناٹا ہو جاتا تھا۔ کوئی کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ پہلے وہ آستین چڑھاتے تھے، یہ دیکھ کر لوگوں کے دل ہلنے لگتے تھے۔ پھر جب وہ مرثیے کا بستہ ہاتھ میں لیتے تھے تو رقیق القلب سامعین کو رقت شروع ہونے لگتی تھی۔ اور جب وہ پڑھنا شروع کرتے تھے تو سیکڑوں سامعین چہروں کو رومال سے پونچھتے دکھائی دیتے تھے اور بین پڑھتے وقت تو گریہ وزاری اور آہ و بکا کا کچھ ٹھکانہ نہ ہوتا تھا۔" (۳)

مرثیہ کی سب سے بڑی خوبی سلسلہ در سلسلہ گتھے ہوئے واقعات ہوتے ہیں۔ ایک واقعہ سے دوسرا واقعہ ایک مسلسل لڑی میں پرویا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں شاعر یا تو مرکزی کردار کی فتوحات کا بڑے ہی فنکارانہ انداز میں اظہار کرتا ہے یا واقعہ سے کسی المیہ کا ماحول تیار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی مرثیہ گو شخصِ مرثیہ کی اندرونی کشمکش کو بھی قاری کے سامنے لے آتا ہے۔ مرثیہ میں اس طرح کی صورتحال پیدا کی جاتی ہے کہ شخصِ مرثیہ کا عمل بہتیرے آدمیوں کی قسمت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یعنی ایسے لوگ جن پر اس کے عمل کے نتائج ظاہر ہوں گے۔ یعنی شخصِ مرثیہ کی شہادت پر بات ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کے متاثرین کو بھی مرثیہ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ مرثیے کا قاری یا سامع انجامِ واقعہ سے پہلے ہی باخبر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ڈرامائیت کے ذریعے مرثیہ کے اجزا کو دلچسپ بنا دیا جاتا ہے۔ ایک کامیاب مرثیہ گو کی حیثیت سے اس کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ ہی وہ سوال ہے جسے پیدا کر کے مرثیہ گو قاری یا سامع کی دل کی دھڑکن کو تیز کرتا ہے۔ اس کے لیے مرثیے میں دلچسپی اور تجسس قائم کرتا ہے۔ دل کی دھڑکن کو برابر قائم رکھنا، اسے کبھی گھٹانا اور کبھی بڑھانا، یہی وہ گر ہے جو مرثیہ کہنے والے کو سامع یا قاری کا محبوب بناتا ہے۔ میر انیس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ مرثیے میں واقعات نگاری کے ذریعے دیگر مرثیہ گوؤں سے زیادہ ڈرامائیت پیدا کرتے ہیں۔ میر انیس کی ڈرامائیت سے متعلق مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"واقع نگاری۔۔۔۔ جس کو آج کل کی زبان میں کسی چیز کا سماں دکھانا، یا سین دکھانا کہتے ہیں۔ میر انیس نے واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے، اردو کیا فارسی میں بھی اس کی نظریں مشکل سے مل سکتی ہیں۔" (۴)

میر انیس اس ڈرامائیت سے صرف تجسس کو برقرار رکھنے کا ہی کام نہیں لیتے بلکہ اس میں بھی حزنیہ عناصر کو شامل کر دیتے ہیں۔ یوں قاری یا سامع کے لیے مرثیے میں صرف دلچسپی ہی برقرار نہیں رہتی بلکہ اس کے گریے کا سامان بھی موجود ہوتا ہے۔ اسی کی ایک مثال میر انیس کے بند میں ملاحظہ ہو:

خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت   اک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت

آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت   تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانہ تھا قیامت

واں بین، اِدھر صبر شکیبائی کی باتیں
افسانہ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

(یارب چمنِ نظم کو گل زارِ ارم کر)

حضرت امام حسینؑ کے سامنے حضرت علی اکبرؑ کا شہادت کا منظر اور اس میں موجود ڈرامائی عناصر جو حزنیہ کی کیفیت کو مزید بڑھا دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر   اتنی زبان ہلی کہ "خدا حافظ، اے پدر"

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

ہچکی جو آئی، تھام لیا ہاتھ سے جگر　　انگڑائی لے کے ، رکھ دیا شہ کے قدم پر سر

آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

(جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے)

ڈرامائیت کا ایک اہم عنصر مکالمہ نگاری ہے۔ مکالمے کے ذریعے ہی مرثیہ گو شخصِ مرثیہ کے خیالات قاری یا سامع کے سامنے لاتا ہے۔ مرثیہ گو کے لیے یہ مشکل ہوتا ہے کہ ڈرامے کی طرح مکمل مرثیے کو ایکٹ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن کامیاب مکالمہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ مکالمے کے ساتھ قاری یا سامع کے سامنے وہ منظر (سین) بھی موجود ہو جہاں پر وہ مکالمہ ادا کیا جا رہا ہے۔ اگر وہ منظر اسٹیج پر ادا نہیں کیا جا سکتا تو قاری یا سامع کے تخیل میں وہ منظر (سین) کا بننا ضروری ہوتا ہے۔ مکالمہ تب ہی کارگر ہو سکتا ہے جب قاری یا سامع شخصِ مرثیہ کی مکالمے کے وقت کی کیفیت سے بھی مکمل طور پر آگاہ ہو۔ عموماً جب مرثیہ گو کی توجہ مکالمے کی طرف ہوتی ہے تو اس میں سے منظر زیادہ واضح نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر مرثیہ گو مکالمے پر توجہ دیتا ہے تو منظر دھندلا جاتا ہے اور اگر منظر پر توجہ دیتا ہے تو مکالمہ کمزور ہوتا ہے۔ پس مکالمے اور منظر میں توازن کا ہونا ضروری ہے۔ میر انیس مرثیوں میں حزن کو پیدا کرنے کے لیے منظر نگاری کے ساتھ ساتھ مکالمے کا کام بھی لیتے ہیں۔ انیس کا یہ خاصا ہے کہ انہوں نے منظر نگاری اور مکالمہ نگاری کو ساتھ ساتھ استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے مرثیوں میں حزن کا تاثر دو آتشہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عباسؑ کی شہادت پر امام حسینؑ کا ان کی لاش سے مکالمہ:

مر جائے گا حسینؑ، برادر! جواب دو　　اے میرے نوجواں، مرے صفدر جواب دو

اب جاں بہ لب ہے سبطِ پیمبر، جواب دو　　اے نورِ چشمِ ساقیِ کوثر! جواب دو

لکنت زبانِ خشک کو ہے، تشنہ کام ہیں
بھیا! تمھارے سر کی قسم ! ہم تمام ہیں

(جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا)

کامیاب کردار نگاری یا مکالمہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ ان کی پیشکش میں جذبات نگاری سے کام لیا جائے۔ ہر شخص کے مصائب قابلِ گریہ نہیں ہوتے اور نہ ہی ہر بات لائقِ ساعت ہوتی ہے۔ اگر کوئی چیز قاری یا سامع کی دلچسپی اور تنبیق کا باعث بنتی ہے تو وہ جذبات نگاری ہے۔ عمدہ جذبات نگاری کے ذریعے مرثیہ گو قاری یا سامع کے رحم کے جذبات کو ابھارتا ہے۔ انسانی جذبات کی سینکڑوں قسمیں ہیں اور پھر ہر ایک جذبے کے مختلف مراتب اور مدارج ہیں۔ انسانی جذبات میں سب سے اہم جذبہ محبت کا ہے لیکن محبت کی بھی مختلف اقسام اور مدارج ہوتے ہیں۔ باپ بیٹے کی محبت، ماں بیٹے کی محبت، بھائی بھائی کی محبت، بہن بھائی کی محبت، آقا اور غلام کی محبت، رشتوں اور مراتب کے اعتبار سے جذبات کا اظہار اور اس کی پیش کش مرثیہ گو کے لیے بہت اہم ہوتی ہے۔ میر انیس کے مرثیوں میں نہایت کثرت سے جذبات اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ملتا ہے۔ انیس کا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے اس کمال کے ساتھ تصویر کھینچی ہے کہ اس کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے یہاں تک کہ کرداروں کا ماضی اور ان کا آپس میں تعلق سامنے آ جاتا ہے۔ حزن کا تعلق چونکہ جذبات سے ہے اس لیے میر انیس کے مرثیوں میں سب سے زیادہ زور بھی جذبات نگاری پر دیا گیا ہے۔ مراثی انیس میں جذبات نگاری سے متعلق ناظر کوکوروی اور ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

"جذبات نگاری میں میر صاحب کو جو کمال حاصل ہے وہ کسی اور شاعر کو نصیب نہ ہو سکا، ہر قسم کے جذبات کا بیان میر صاحب نے ایسی استادی سے کیا ہے کہ دل وجد کرتا ہے۔ خوشی و غم، رنج والم، محبت و ہمدردی، رشک و حسد، بیم و رجا، خوف و غصہ، غرض ہر جذبہ انسانی کا بیان بڑی خوبی سے کیا ہے۔ ایک اور صفت یہ ہے کہ کہنے والے کی عمر، جنس، حالت، تعلق ورشتہ وغیرہ کا پوری طرح خیال رکھتے ہیں۔" (۵)

مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت امام حسینؑ کے جذبات کی عکاسی جس سے محبت پدری عیاں ہوتی ہے اس بند میں ملاحظہ ہو:

قسمیں انہیں دے دے کہ کہا شہ نے کہ جاؤ تکلیف تمہیں ہوتی ہے، اب ساتھ نہ آؤ

اللہ کو سونپا تمہیں، آنسو نہ بہاؤ پھرنے کے نہیں، ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ

اُس بے کس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو! مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

(فرزندِ پیمبر ﷺ کا مدینے سے سفر ہے)

میر انیس کا خاصہ یہ ہے کہ انہوں نے فن کارانہ طور پر مرثیوں میں انسانی نفسیات کی ترجمانی کی ہے۔ خاص طور پر انہیں نسوانی نفسیات کی ترجمانی میں کمال حاصل تھا۔ رخصت اور بین کے وقت وہ مرثیے کی پوری فضا کو نسوانی احساسات وواردات سے بھر دیتے تھے۔ انیس نے کرداروں کی داخلی کیفیات کو جو کہ ان کرداروں کی اندرونی دنیا میں تغیرات فراہم کرتی ہیں ان کی بھی بھرپور عکاسی کی ہے۔ یاد رہے کہ میر انیس نے کوئی قصہ ایجاد نہیں کیا تھا اور نہ ہی خود سے کردار تخلیق کیے تھے۔ جو چیزیں انیس نے اپنے تخیل اور فکر سے تخلیق کیں وہ ان کرداروں کی داخلی کیفیات اور نفسیات ہیں جن کی بدولت وہ کردار قاری یا سامع سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور اسے ایک خاص ماحول میں پہنچا دیتے ہیں۔ نفسیات نگاری ایک مشکل کام ہے جبکہ انیس کی طرزِ مرثیہ گوئی میں یہ عنصر بہت غالب ہے۔ حزن کا براہ راست تعلق انسانی نفسیات سے ہوتا ہے۔ اگر مرثیہ میں کامیاب نفسیات نگاری نہ ہو تو قاری یا سامع کو شخصِ مرثیہ کا غم کبھی اپنا غم معلوم نہیں ہو گا۔ یہ نفسیات کا ہی کرشمہ ہوتا ہے کہ شخصِ مرثیہ کا غم قاری یا سامع کو اپنا غم معلوم ہونے لگتا ہے۔ نفسیات نگاری کی وجہ سے ہی حزن کا اثر طولانی ہوتا ہے۔ اسی لیے مراثیِ انیس میں حزنیہ کی تکنیک میں ایک اہم تکنیک نفسیات نگاری بھی ہے۔ انیس کی نفسیات نگاری سے متعلق سید تقی عابدی لکھتے ہیں:

"میر انیس نفسیات کے عالم تھے۔ انہوں نے فطرتِ انسانی اور انسان کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔۔۔۔ پہلے ذکر فضائل سے ان برگزیدہ ہستیوں کے اوصاف اخلاق ایثار اور اطوار پر روشنی ڈالتے، سامعین کو خوش حال کرتے اور ایسے بیان میں منظر کشی، تغزل اور علمی اور ادبی شیرینی گھول دیتے پھر بڑی خاص متانت سے جب سامعین ذہنی اور ادبی لذت میں محو ہو کر مرثیے کے آہنگ کے ساتھ ہو جاتے تو شہادت اور بین کے واقعات سے ان کے دلوں کے تاروں کو چھیڑ دیتے اور ایک ہلکے سے اشارے میں اشکوں کے دریا بہا دیتے۔ سامعین یہ سوچتے کہ ایسے برگزیدہ لوگوں نے اتنی سختیاں ہماری نجات کے لیے اٹھائیں اور ان مصائب کا تصور ہی انہیں رلا دیتا۔" (٦)

انسانی نفسیات کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں ترحم کے جذبات جلدی پیدا ہوتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب کوئی کردار حالات کے سامنے بے بس نظر آرہا ہو۔ شخصِ مرثیہ کی اداسی، حسرت، غم اور تنہائی و بے کسی قاری یا سامع کے دل کو مسلتی، غم کو ابھارتی اور احساسِ الم کو تیز کرتی ہے۔ انیس کمال مہارت سے اشخاصِ مرثیہ کو وقتِ شہادت اس مقام پر لے آتے ہیں جس سے حزن کا اثر دوبالا ہو جاتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کا وقتِ شہادت اور تنہائی و بے کسی کا ایک بیان:

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر

قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر   یہ دکھ نبی ﷺ کی گود کے پالے حسینؑ پر!

تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

(جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے)

مرثیے کا تعلق چونکہ پڑھت سے ہے اسی یے میر انیس نے مرثیوں میں حزن کے لیے فجائیہ اور ندائیہ انداز اختیار کیا۔ اس سے ہر سامع کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مرثیہ گو اس سے ہی مخاطب ہے۔ اس طرح سامع کی توجہ جلد حاصل ہو جاتی ہے۔ سامع چونکہ یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ مرثیہ گو اس سے مخاطب ہے اس لیے وہ اپنی تمام تر توجہ کو مرثیہ گو کی طرف ہی مرکوز رکھتا ہے۔ توجہ کا ارتکاز سامع کو جلدی شخصِ مرثیہ کے ساتھ ہم آہنگ کر دیتا ہے۔ انیس اس انداز میں بھی حزن کو ہی پیش پیش رکھتے ہیں، ملاحظہ ہو:

لاکھوں میں ایک بے کس و دل گیر، ہائے ہائے!   فرزندِ فاطمہؑ کی یہ توقیر؟ ہائے ہائے!

بھالے وہ اور پہلوئے شبیرؑ، ہائے ہائے!   وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر، ہائے ہائے!

غصے میں جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسینؑ پر ترکش بھرے ہوئے

(جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے)

میر انیس کو دیگر مرثیہ نگاروں پر اس لیے فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے بزمیہ اور رزمیہ دونوں مواقع پر حزن پیدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مرثیے کا کوئی حصہ بھی حزنیہ سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ کمال مہارت سے قاری کے اندر گداز پیدا کرتے ہیں۔ یوں شخصِ مرثیہ کا غم قاری یا سامع کو اپنے غم سے زیادہ محسوس ہوتا ہے جس کی وجہ سے قاری یا سامع رونے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ رنج و الم کے پہلوؤں کو انیس نے دوسرے واقعات سے زیادہ بڑھا کر پیش کیا ہے۔ رنج و الم کا بیان اور ان کے اکثر بین ایسے ہیں کہ پتھر کا دل پانی ہو جائے۔ مرثیے میں بزم کا بیان ہو یا کہ رزم کا ہر طرح کے ماحول میں انیس غم انگیز پہلو کو اختیار کیے رہتے ہیں۔ یعنی واقعات کے بیان کو وہ رثائیت سے خالی نہیں رہنے دیتے۔ میدانِ جنگ کی تیاری، شخصِ مرثیہ کی جنگ کا بیان، پرچم، تلوار، گھوڑا، دشمنوں کی یلغار، مکالمات، آوازوں اور صداؤں کی گونج وہ مرکب اور متحارب مناظر ہیں جو انیس کو مرثیے میں حزن پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اشخاصِ مرثیہ کی مختلف مناظر میں حالت، اشخاصِ مرثیہ کی شہادت سے پہلے اور شہادت کے بعد خواتین کے بین انیس نے جس قدر مہارت سے لکھے ہیں اس میں وہ اردو مرثیہ کی مکمل روایت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

حوالہ جات

۱۔ ارسطو، بوطیقا، مترجم عزیز احمد، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۵، ص ۶۵

۲۔ معراج الحسن، ڈاکٹر، فانی کی شاعری میں حزنیہ عناصر، مراد آباد: اے ایچ پرنٹرس، ۱۹۹۹، ص ۳۵

۳۔ نیر مسعود، مرثیہ خوانی کا فن، کراچی: آج پبلشرز، ۲۰۰۵، ص ۳۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

۴۔ شبلی نعمانی، مولانا، موازنہ انیس و دبیر، الہ آباد: لالہ رام نرائن لعل بک سیلر، ۱۹۳۶، ص ۱۹۷

۵۔ ناظر کاکوروی، ڈاکٹر شجاعت سندیلوی، مطالعہ انیس، الہ آباد: شانتی پریس، ۱۹۵۶، ص ۱۵۸

۶۔ تقی عابدی، سید، ڈاکٹر، تجزیہ یادگار مرثیہ، جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے، کینڈا: ۲۰۰۲، ص ۲۳۶